ڈاکٹر مسز افشاں آفتاب خواجہ
علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

امیر حسن سجزی دہلویؒ

اور انکے ادبی کارنامے

امیر حسن علاء نام، نجم الدین لقب، والد کا نام علاء الدین سیستانی المعروف بعلائی سجزی (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد۲) علا سجزی یا علائی سجزی المعروف بعلائی۔ حسن کے ساتھ علاء والد کے اسم گرامی کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے۔ فوائد الفواد کی پہلی مجلس اور دیباچہ جلد یا خبر دوم میں انہوں نے خود کو ''حسن علا سجزی'' لکھا ہے۔

نام کے ساتھ وابستہ لفظ سجزی یا سجزی پر بھی تذکرہ نویسوں میں تضادِ رائے ہے۔ کچھ تذکرہ نویس سجزی کو سجزی لکھتے ہیں۔ مسعود علی محوی صاحب نے کلیاتِ حسن کے دیباچہ میں تفصیلی بحث کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے سجزی نے سنجری کی شکل اختیار کرلی۔ ورنہ مسعود علی محوی صاحب کے اس قیاس کی تصدیق کہ حسن کا خاندان بھی عرب سے نکل کر پہلے سیستان یا سنجستان میں آ کر آباد ہوا اور اسکے بعد ہندوستان آیا۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سبحان اللہ کلیکشن کے کیٹالاگ نیز انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد۲ اور نشتر عشق سے بھی ہوتی ہے۔

اسی قسم کا خیال خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے حالات کے سلسلہ میں جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ سوم اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ''تاریخ مشائخ چشت'' میں ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا وطن بھی سیستان تھا اور وہ بھی سجزی کہلائے گئے۔ تذکرہ ''گلزار ابرار'' میں دیا ہوا ہے کہ حسن سجزی کے والد کا وطن سجستان ہے جو خواجہ معین الدین چشتی کی جائے پیدائش ہے لہٰذا امیر حسن کو سجزی کہنا زیادہ مستند اور صحیح ہے۔ امیر حسن نسباً ہاشمی تھے۔ اسکی تصدیق تقریباً سبھی تذکرہ نویسوں نے کی ہے۔ حسن سجزی کو دہلوی بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چند ایک تذکرہ نویس نے تو حسن کی جائے پیدایش دہلی بتادی ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ حسن کی پیدایش بدایوں میں ہوئی تھی۔ زیادہ تر تذکرہ نویسوں نے بدایوں ہی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اسکی مستند دلیل مسعود علی محوی صاحب نے خود حسنؔ کے ایک شعر سے پیش کی ہے۔

پردۂ فضلِ ایزدش ارشاد غیبی مرشدش
بودہ بدایوں مولدش دہلی ست منشا داشتہ

پیدائش: اس شعر سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ انکی پیدائش تو بدایوں میں ہوئی لیکن نشو ونما دہلی میں ہوئی۔ انکے والد کا تعلق بدایوں سے بسلسلۂ ملازمت تھا ورنہ وہ وہاں کے باشندے نہیں تھے۔ وہ بدایوں میں کس عمر تک رہے اسکا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ بات مصدّقہ ہے کہ وہ کم عمر ہی میں دہلی چلے گئے تھے۔ امیر حسن کی سالِ پیدائش کے بارے میں بھی مختلف آراء میں کچھ تذکرہ نویس انکی پیدائش ۶۵۲ھ بتاتے ہیں اور کچھ ۶۵۱ھ کا حساب لگاتے ہیں۔ ہمیں ۶۵۱ھ اس لیے درست معلوم ہوتی ہے کہ حسن کا دیوان جو ۷۱۴ھ کو مرتب ہوا ہے اس وقت شاعر کی عمر ۶۳ سال لکھی ہے اس حساب سے سالِ ولادت ۶۵۱ھ نکلتا ہے۔ اور یہی سنہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

اور مجمع الفصحا میں بھی دیا ہوا ہے۔ امیر حسن اپنے برادرِ نسبتی یعنی امیر خسرو سے کچھ مہینہ چھوٹے تھے۔

تعلیم: امیر حسن کے تحصیل علم کی تفصیل تو پتہ نہیں چلتی ہے لیکن ان کے دیوان اور فوائد الفواد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی زبان پر ان کو پورا عبور حاصل تھا۔ فارسی شاعری میں تو وہ درجہ ملا ہے کہ ''سعدی ہند'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ عربی میں ''قواعد النحو'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ ان کے پیر بھائی مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلاطین واکابر اور دہلی کے اولیاء اللہ کے بارے میں ان کا علم بڑا حاضر تھا۔ مولانا ضیاء الدین برنی ہی کی وساطت سے خسرو اور حسن میں محبت ویگانگت پیدا ہوئی جیسا کہ وہ خود اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں۔

''واز محبتِ من میان ایشان ہر دو اوستاد قرابتے شد''۔

خود برنی کے ان دونوں سے تعلقات بہت گہرے اور مشفقانہ رہے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ اُن دونوں کو میرے بغیر اور مجھ کو ان دونوں کے بغیر چین نہ ملتا تھا۔ برنی نے ان کا شمار عصر علائی کے علماء میں کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک شخص علاّمہ وقت تبھی ہوسکتا ہے جبکہ اسکے علمی قابلیت ہر طرح سے کامل ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان مقتدر ہستیوں کا پتہ نہیں چلتا جن سے حسن نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کی تعلیم کا زمانہ غیاث الدین بلبن کا دور تھا اور بلبنی عہد میں علماء وفضلا کا کثیر مجمع تھا، ہر علم وفن کے جاننے والے بکثرت تھے اسی لیے اس عہد کو مورخین نے ''خیر الاعصار'' لکھا ہے۔ برنی نے ان یکتائے عصر علماء ونادرۂ روزگار استادوں کی فہرست دیتے ہوئے لکھا ہے کہ بلبن کے سارے عہد حکومت میں اس کثرت سے قابل اساتذہ اور بے مثل بزرگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک کسی دوسری مملکت کی آرایش وزیبایش کے لیے کافی تھا۔

ایسی علمی وادبی فضا میں تشنگانِ علوم کو جی بر کر سیراب ہونے کے پورے پورے مواقع فراہم تھے۔ یقیناً حسن نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بلبن ہی کے عہد حکومت میں اس دور کے مشہور شاعروں اور ادیبوں مثلاً شمس دبیر وغیرہ سے ان کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ محوی صاحب نے بلبن کا پورا عہد (۶۶۴ تا ۶۸۵ھ) امیر حسن اور امیر خسرو کی تحصیل علم کا زمانہ قرار دیا ہے۔

ملازمت: تعلیم سے فارغ ہو کر حسن نے لشکر میں ملازمت کر لی اور لشکر میں تلوار کی خدمت کے بجائے قلم کی خدمت ان کے سپرد تھی اور وہ دوات داری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ملازمت کے ابتدائی سال کا تعین کرنا مشکل ہے کیونکہ اسکی کوئی شہادت نہیں ملتی مگر خود حسن کے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۶۷۸ھ میں جس وقت ملک طغرل نے بغاوت کی ہے اس سے مقابلہ کے لیے غیاث الدین بلبن نے لکھنوتی پر چڑھائی کی تو حسن لشکر کے ساتھ تھے اور اسی سفر میں شمس دبیر اور ان کے ساتھ رہا۔

حسن کے بیان سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شمس دبیر سے انکی صرف دوستی نہ تھی بلکہ قرابت داری بھی تھی۔ یہ شمس دبیر اپنے زمانے کے مشہور شاعر و ادیب تھے۔ شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر سے ان کو ارادت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بیعت بھی ہو۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ ایک بار شمس دبیر نے شیخ الاسلام کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور شیخ سے اجازت لیکر ان کو پڑھکر بھی سنایا۔ شیخ نے تعریف کی اور فرمایا کہ کیا چاہتے ہو۔ شمس دبیر نے عرض کیا کہ افلاس میں مبتلا ہوں۔ ضعیف ماں ہیں جن کی کفالت میرے ذمہ ہے۔ شیخ الاسلام نے انکے حق میں دعا کی اور آپکی دعا کی برکت سے وہ بلبن کے بیٹے بغرا خاں کے دبیر ہو گئے۔

مہم لکھنوتی کی فتح کا دہلی میں زبردست جشن اور خوشیاں منائی گئیں۔ اس فتح کی

مبارکباد کے لیے بلبن کا بڑا بیٹا محمد سلطان (گورنر ملتان) دہلی آیا تو اسکی ملاقات ان دونوں باکمال شعراء (یعنی حسنؔ اور امیر خسروؔ) سے دہلی میں ہوئی وہ ان دونوں سے اتنا خوش ہوا کہ جب وہ واپس اپنی اقطاع پر جانے لگا تو خسروؔ اور حسنؔ دونوں کو اپنے ساتھ ملتان لے گیا اور انکو اپنا مصحف دار اور دوات دار مقرر کیا اور ان دونوں جلیل القدر شعراء کی وجہ سے شہزادہ کی بزمِ ادب میں پانچ سال تک بڑی گرما گرمی رہی۔ دونوں نے اپنی کم سنی کے باوجود اپنی نظم ونثر کی کمال کا اظہار کیا اور شہزادے نے بھی انکو نوازنے میں کمی نہ رکھی تھی۔ یہ شہزادہ کئی خوبیوں کا حامل تھا۔ اس جیسا مہذب اور قدردانِ علم وفن اور ہنر پرور کوئی دوسرا شہزادہ غلام خاندان سے تغلق خاندان تک نہ ہوا۔ مگر اس شہزادے کی زندگی بہت کم تھی وہ منگولوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ۶۸۳ھ میں شہید ہوگیا۔ اگر شہزادہ محمد کو تختِ بلبن پر بیٹھنے کا موقع ملتا تو ہندوستانی ادب وثقافت میں کئی گنا زیادہ ترقی ہوئی ہوتی۔ شہزادہ سلطان محمد کی شہادت پر امیر خسروؔ نے نظم میں ۲ مرثیے اور حسنؔ نے نثر میں ایک مرثیہ لکھا۔ اسکی شہادت کے بعد امیر حسنؔ بے روزگار ہوگئے کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین خلجی (۶۸۹-۶۹۵ھ) نے انہیں درباری ملازمت میں لے لیا۔ جلال الدین کے بعد رکن الدین ابراہیم شاہ نے چند روز بادشاہت کی پھر علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ) تخت نشین ہوا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہ تھا اور اسے شعروادب سے بھی زیادہ دلچسپی نہ تھی اس لیے امیر حسنؔ فوج کے غیر محارب عملہ میں مقرر ہوگئے۔ امیر حسن کا لشکرِ شاہی سے تعلق کا سراغ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی ملتا ہے اور علاء الدین خلجی کے زمانہ میں لشکر کی ملازمت کا ثبوت فوائد الفواد کی متعدد مجلسوں سے بھی ملتا ہے۔

امیر حسنؔ کی سیرت واخلاق اور سلطان المشائخ کے دامن سے وابستگی: ضیاء الدین برنی جو حسن کے ہم عصر تذکرہ نگار اور حسن کے دوست بھی تھے انکے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ

نہایت پسندیدہ اخلاق واوصاف کے مالک تھے۔انکی صحبت اسقدر شیرین ہوتی تھی کہ جوراحت ہمیں ان جیسے ظریف اور خوش مزاج کے ساتھ ملتی تھی وہ کسی دوسرے کی ہم نشینی میں نہیں ملتی تھی۔ سیر الاولیاء، تاریخ فرشتہ اور اخبار الاخیار میں امیر حسن کی بیحد صفات بیان کی گئی ہیں۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ امیر حسنؔ ایک خوش مزاج، پاکیزہ اطوار، قانع، متوکل، صلاح کوش اور صوفی منش انسان تھے۔وہ آزادانہ اور مجرّ دانہ زندگی قلندروں کی طرح گزارتے تھے۔انکے بعض اشعار میں تنگدستی کا حوالہ بھی ملتا ہے۔وہ شیخ کے بتائے ہوئے اوراد وعبادت میں مشغول رہتے تھے۔

امیر حسنؔ اور امیر خسروؔ پیر بھائی تھے۔امیر حسن شیخ المشائخ سے ۷۰۷ھ میں بیعت ہوئے تھے اور مرید ہونے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد شیخ کی خدمت میں جب خصوصی تقرب حاصل ہوا تو اس تقرب ومحبت نے امیر حسن کو شیخ کے ملفوظات اکٹھا کرنے کی طرف راغب کیا۔ اور یہ کام پورے پندرہ سال تک پابندی سے جاری رہا اور تمام ہونے کے بعد ''فوائدلفواد'' کی شکل میں تصوف کا دستور العمل تصور کیا جاتا ہے۔امیر حسن نے ۷۰۷ھ سے ۷۲۲ھ تک کی شیخ کی مجالس میں بیان کردہ باتوں، نصیحتوں، روائتوں، بزرگانِ دین کے قصوں اور کرامتوں، شریعت کے مسائل، عبادت، تصوف کے درجات، قرآنی آیات کی تفسیر، اوصاف حمیدہ غرض دین اور دنیا سے متعلق ہدایت کی جو شمع شیخ روشن کرتے تھے اسکی روشنی سے حسن نے پورا استفادہ کیا ہے۔وہ مجلس میں حاضری دیتے اور مجلس میں بیان کردہ باتوں کو مکان میں آکر لکھ لیتے تھے۔اس طرح ۱۵ سال تک یہ کام جاری رہا تھا۔اس تصنیف کی خوبی یہ ہے کہ شیخ نے خود ان ملفوظات کو پڑھا اور حسنؔ کی محنت اور کتاب کا اچھا نام رکھنے کی بہت تعریف فرمائی۔

فوائدالفواد کے معنی: فوائد جمع فائدہ + فواد بمعنی دل یعنی دلوں کو فائدہ دینے والی۔(مقصد ہے پڑھنے والوں کو ہدایت کا راستہ دکھانے والی)

امیر حسنؔ کی تصانیف: امیر حسن سجزی کی زیادہ تر تصانیف علاء الدین خلجی کے دور کی ہیں۔ اُن کی تصانیف میں موجودہ دیوان سے قبل لکھا گیا دیوان بھی تھا جس کا اب پتہ نہیں ہے۔ یہ پہلا دیوان انہوں نے ۳۰ (تیس) سال کی عمر میں ملتان کے دورانِ قیام میں مرتب کیا تھا۔ کیونکہ محمد سلطان شہید کے زمانے میں اس شاعر کو علمی اور ادبی فضا میں ارتقائی منزل طے کرنے میں بڑی مدد ملی تھی اس بات کی تصدیق کے لیے خود شاعر کا بیان موجود ہے یعنی حسن نے اپنے دیوانِ دوم کے مقدمے میں جو ۶۳ سال کی عمر میں (۷۱۴ھ میں) بہ عہد علائی (علاء الدین خلجی) ترتیب دیا تھا لکھا ہے۔

"پیش ازین در عہد غیاثی آنچہ در مدتِ سی سال جمع شدہ بود دیوانے ساختہ شدہ است"۔

افسوس کہ یہ دیوان اب کہیں نہیں ملتا۔ ہندوستان، جرمنی، روس اور انگلستان وغیرہ کی مختلف لائبریریوں میں اب جو نسخے ہیں وہ دیوانِ دوم کے ہیں۔ (پہلی تصنیف ہم نے حسن کے اسی گم شدہ دیوان کو مانا ہے)۔

حسنؔ کے موجودہ دیوان کو مسعود علی محوی صاحب نے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ ایڈٹ (Edit) کیا اور مہاراجہ سرکشن پرساد شادؔ نے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن سے چھپایا تھا۔ یہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے کا مرتب کیا ہوا ہے (سلطان کے انتقال سے ایک سال ۲ ماہ قبل ربیع الاوّل ۷۱۴ھ کو مرتب ہوا تھا۔) حسنؔ کے وہ قصیدے جو قصائد کے استاد خاقانی کے قصیدوں پر لکھے گئے ہیں اسی دور کی فکر کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہ سب قصیدے علاء الدین خلجی، اسکے بھائی الماس بیگ اُلغ خاں یا شہزادوں کی تعریف میں ہیں۔ حسن کا وہ مشہور قصیدہ جو بزرگانِ دین کی شان میں ہے اور خمسین کے نام سے موسوم ہے اسی دور کا لکھا ہوا ہے۔ قصائد

کے علاوہ شاعری کی وہ صنف جو حسن کی شہرت ومقبولیت کی ضامن ہے وہ غزل ہے۔ اپنی شیریں، رواں اور وجدانی غزلوں کی وجہ سے وہ ''سعدی ہند'' مشہور ہوئے۔ اور عہد علائی کے بعد تو پھر انکی زبان خاموش اور قلم ساکت ہو جاتا ہے۔ اگر چہ وہ دیوان دوم کی ترتیب کے بعد ۲۳ سال تک زندہ رہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شعر وشاعری بالکل ترک کر دی تھی۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی عمر کا یہ حصہ بالکل درویشانہ انداز پر بسر ہوا۔ ہاں ان کے قلم نے اس دیوان کی ترتیب کے آٹھ (۸) سال بعد تک جس کام کو جاری رکھا وہ شیخ کے ملفوظات کی ترتیب تھی یہ کام ۷۲۷ھ تک باقاعدگی سے جاری رہا۔

حسنؔ کی تیسری اہم تصنیف نثر میں ''فوائد الفواد'' ہے۔ اس تصنیف کو بہت زیادہ اہمیت ومقبولیت حاصل ہوئی ہے بلکہ حسن کے زمانے میں ہی بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔

''فوائد الفواد'' سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء (محبوب الٰہی) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسکو حسنؔ سجزی دہلوی نے قلمبند کیا ہے۔ اس تصنیف کا زیادہ حصہ بھی علاء الدین خلجی کے عہد کا ہے۔ قرون وسطیٰ کی ادبی تصانیف میں ملفوظاتی ادب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک مرید اسکو بڑی سعادت اور فخر کی بات تصور کرتا تھا کہ جو کچھ اسکے پیر اور اس کے درمیان گزرے اسکو بڑی ایمانداری سے ضبط تحریر میں لے آئے۔ حسن سجزی سلطان المشائخ کے دامن فیض سے وابستہ ہونے کے بعد بہت جلدی ان کے مریدانِ خاص میں شامل ہوگئے اور انہوں نے طے کیا کہ شیخ کے ملفوظات کو احاطۂ تحریر میں لانا چاہیے۔ لہٰذا اس مبارک کام کی ابتداء ۳ شعبان ۷۰۷ھ سے کر دی۔ وہ جب بھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مجلس میں شیخ نے جو کچھ بھی گفتگو فرمائی اسے وہ ذہن نشین کر لیتے اور مکان پر آ کر لکھ لیتے تھے۔ اس

طرح پورے پندرہ سال یعنی ۱۹ شعبان ۷۲۲ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس تصنیف کی یہ خوبی ہے کہ ان ملفوظات کو خود شیخ نے دیکھا اور مطالعہ بھی کیا ہے نیز تعریف فرمائی جیسا کہ فوائد الفواد کے ۲۸ شوال ۷۰۸ھ کی مجلس سے ظاہر ہے۔ نیز ایک موقع پر شیخ المشائخ نے ان ملفوظات کو ''فوائد الفواد'' نام سے موسوم کرنے کی تعریف فرمائی۔

فوائد الفواد کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ جلد یا جز اول از ۳ شعبان ۷۰۷ھ تا اخر ذی الحجہ ۷۰۸ھ

۲۔ جز دوم از شوال ۷۰۹ھ تا شوال ۷۱۲ھ

۳۔ جز سوم از ذیقعدہ ۷۱۲ھ تا ذی الحجہ ۷۱۳ھ

۴۔ جز چہارم از آغاز محرم ۷۱۴ھ تا رجب ۷۱۹ھ

۵۔ جز پنجم شعبان ۷۱۹ھ تا شعبان ۷۲۲ھ

قرون وسطیٰ میں ملفوظ نگاری کو فوائد الفواد سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور شیخ عثمان ہرونی (خواجہ معین چشتیؒ کے پیر) سے لیکر سلطان المشائخ تک چشتیہ سلسلہ کے ہر بزرگ کی جانب کوئی نہ کوئی ملفوظ منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ معین الدین سجزی نے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد اپنے پیر حضرت عثمان ہرونی کے ملفوظات بہ نام ''انیس الارواح'' مرتب کئے ان کے بعد ان کے مرید حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ملفوظات ان کے خلیفہ یا مرید بابا گنج شکرؒ نے ''فوائد السالکین'' کے نام سے اور بابا فریدؒ کے ملفوظات شیخ المشائخ نے ''راحت القلوب'' کے نام سے مرتب کئے لیکن سلسلۂ چشتیان کے ان ملفوظات کو ان بزرگوں کے نام سے بعد کے تحریر قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ایک علمی بحث ہے لیکن فوائد الفواد کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ شیخ المشائخ حضرت

نظام الدین اولیاء نے اپنے مرشد بابا فرید کے ملفوظات قلمبند کیے تھے۔ شیخ المشائخ نے فوائد الفواد کی ۱۵ محرم ۷۱۰ھ کی مجلس میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ لیکن فوائد الفواد کی ہی پہلی جُز کی ۲۸ ویں مجلس جو شوال ۷۰۸ھ کی ہے فرمایا ہے کہ میں نے بھی اپنے پیر کے ملفوظات کو تحریر کیا تھا۔ اس طرح ان دو باتوں کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ملفوظات کو قلمبند کرنے والے کی حیثیت ایک مرتب کی ہوتی ہے مصنف کی نہیں۔ اس لیے ان کی دونوں باتیں درست ثابت ہو جاتی ہیں۔

فوائد الفواد کو ہمیشہ سے ملفوظاتی ادب میں مستند حیثیت حاصل رہی ہے جو کہ حسن سجزی کا مرتبہ ہے۔ فوائد الفواد کے موضوعات میں احکامات شرعی کے بیان ہے۔ احکام طریقت کی وضاحت ہے۔ دینی اور اخلاقی تعلیم ہے۔ تاریخی واقعات کی سند ہے۔ ادبی اہمیت اسکی حکایات وروایات سے واضح ہے۔ بزرگوں کی کرامات کا ذکر ہے۔ غرض اپنے نام کے معنوں کے مطابق دلوں کو فائدہ یعنی ہدایت کا راستہ دکھانے والی پہنچانے والی، یعنی ہدایت کا راستہ دکھانے والی بہترین تصنیف ہے۔

حسن سجزی کی ایک اور اہم تصنیف ''مخ المعانی'' ہے۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں لفظ عشق پر تصوف کے نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ حسن کی اس تصنیف پر کسی مورخ یا تذکرہ نگار نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ مگر خود حسن کا اسکے بارے میں بیان موجود ہے۔ اپنی ہی تصنیف فوائد الفواد کی ۲۳ محرم ۷۱۲ھ کی مجلس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اس روز میں اپنی کتاب ''مخ المعانی'' حضرت کی خدمت میں لے گیا''۔ سلطان المشائخ نے اس کتاب کو بیحد پسند فرمایا اور تجدید بیعت کر کے اپنی کلاہ خود اپنے دستِ مبارک سے میرے (حسن) کے سر پر رکھی۔ یہ کتاب عرصہ سے گوشۂ گمنامی میں رہی اسکو سب سے پہلے متعارف کرانے کا سہرا علی گڈھ ملسم

یونیورسٹی کے عالم پروفیسر خلیق احمد نظامی کے سر ہے۔ اس کا ایک نادر نسخہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ۔ ذخیرہ سر سلیمان شاہ میں موجود ہے۔ یہ مخطوط ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

حسن سجزی کی نثری تصانیف میں ان کا وہ مرثیہ بھی شامل ہے جسکا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جو حسن نے غیاث الدین بلبن کے بیٹے محمد سلطان کی شہادت پر لکھا ہے۔ فارسی ادب میں اس جدّت کا سہرا امیر حسن کے سر ہے کہ انہوں نے مرثیہ کو نثر میں لکھا ہے۔

شاعرانہ خصوصیات: امیر حسن اور امیر خسرو دونوں اپنی زندگی ہی میں شاعری میں شہرت پا چکے تھے۔ انکے بعد شعرا کے جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ہیں ان سب میں انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے:

۱۔ ایرانی بھی ان دونوں کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان المشائخ نے بھی ایک موقع پر اپنے عزیز خلفاء کی ستائش کی ہے وہ کہتے ہیں ''خسروِ ما دریائے شوراست و حسن جوئے شیرین'' یعنی دریائے شورا اپنی پہنائیوں اور تیز روی کے سبب اہمیت رکھتا ہے جبکہ جوی شیریں اپنی نغمگی اور کام دہن کی سیرابی کے باعث کم اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ سلطان المشائخ کو جب بھی ذوق سماع ہوتا تو قوّالوں سے فرمائش کر کے حسن کی غزلیں سنا کرتے۔

۲۔ حسن کے مراد معنوی، دوست اور سب سے بڑے ہم عصر شاعر امیر خسرو دہلوی اپنے ایک مقطع میں فرماتے ہیں۔

خسرو اشعر تو اسرارِ حدیث است مگر
گر سخنہائے تو ام بوئے حسن می آید

۳۔ مولانا ضیاء الدین برنی (حسن کے معاصر) انکی نظم و نثر کی خوبی اور انکی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ''اور تالیف نظم و نثر بسیار است و بہ سلامتی ترکیب

وردانی سخن آیت بوده است واز بسکه غزلہائے وجدانی درغایت روانی بسیار گفتہ است اورا "سعدی ہندوستان" خطاب شدہ بود۔

۴۔ امیر خود اپنی مشہور تصنیف "سیر الاولیاء" میں لکھتے ہیں "غزلیاتِ جگر سوزِ اوازچمقِ دلہائے عاشقان آتش محبت بیرون می آردواشعارِ دلپذیر اوراتے بدلہائے سخنوران می رساند ولطائفِ روح افزائے او مایۂ اہلِ ذوق است وسخن این بزرگ چاشنی سعدی دارد"۔

۵۔ غزل کے امام حافظ شیرازی بھی طوطیانِ ہند کا ذکر کیئے بغیر نہ رہ سکے

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می روند

(ہوسکتا ہے حافظ کا اشارہ حسن اور امیر خسرو کی طرف ہو)

۶۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی حسن کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"وے را در طریق غزل خاص است۔ اکثر قافیہائے تنگ وردیف ہای غریب بحرہای خوش آیند کہ اصل در شعر خاصہ در غزل ملاحظہ اینہاست اختیار کردہ ولاجرم از اجتماع آن ہا شعر وی را حالتی آمدہ است کہ اگر بحسب بادی نظر آسان نماید اما در گفتن دشوار است۔ لہٰذا اشعارِ وی را "سہل ممتنع" گفتہ اند۔

۷۔ طبقاب اکبری کے مؤلف نظام الدین احمد لکھتے ہیں:

"بسلامت کلام ولطافت سخن مشہور بود از بسکہ غزلہائے سلیس گفتے وداد سخن دادے اورا سعدی ہندوستان گفتندے"۔

۸۔ مولانا عبدالحق دہلوی نے انکے کلام کی سنجیدگی وشیرین گفتاری کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

''میر حسنؔ اگر چہ شعر کم گفتہ امّا آنچہ گفتہ سنجیدہ گفتہ و شیرین گفتہ''۔

۹۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی انکے کلام کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دیوانِ او نیز شرق و غربِ عالم را گرفتہ''

۱۰۔ دربارِ اکبری کے ملک الشعرا شیخ فیضی حسنؔ کے بارے میں فرماتے ہیں۔''امیر حسن آنے دارد کہ عاشقِ آن تواند شد اگر چہ امیر خسروؔ یوسفِ زماں بود۔

۱۱۔ علامہ شبلی انکی شاعرانہ عظمت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں''حسنؔ کا صنفِ غزل پر خاص احسان ہے کہ جو سوز و گداز اور جذبہ و اثر انکے کلام میں موجود ہے ان کے کشتۂ محبت (امیر خسروؔ) میں بھی نہیں۔

۱۲۔ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب ''امیر خسروؔ کی حیات و شاعری''میں لکھتے ہیں''ملتان کے دربار میں خسروؔ کے علاوہ سب سے زیادہ مشہور شاعر حسنؔ سجزی تھے۔ یہ خسرو کے ہم عصر تھے اور غزل گوئی میں خصوصاً کمال رکھتے تھے اِسی مناسبت سے انہیں ''سعدی ہند'' بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نقادوں کا تو یہ خیال ہے کہ وہ غزل میں خسروؔ سے بھی بازی لے گئے تھے۔ اگر چہ اس میں اختلاف کی گنجایش ہے۔ یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ حسن کے کلام میں ایک سادگی اور بے ساختگی ایسی ہے کہ جو بہت کم شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

ان تمام آراء سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسنؔ کس درجہ کے شاعر تھے امیر حسنؔ نے جس وقت شاعری شروع کی تو قصیدہ میں زیادہ تر انہوں نے خاقانی جیسے استاد کا تتبع کیا ہے۔ اگر چہ مدح گوئی میں انکا میلان نہ تھا مگر اُس دور میں قصیدہ کو ہی ادبی حیثیت حاصل تھی۔ دوسرے دربار سے وابستگی کے بعد قصیدہ گوئی ناگزیر تھی۔ حسنؔ نے اپنے قصائد میں خاقانی کے تتبع کا خود ذکر کیا ہے۔

کردم بمدح خسروی بر حکم فرماں پیروی تاہم ردیف وہم روی خاقانی آسا داشتہ

امیر حسنؔ دراصل غزلگو شاعر تھے اور بسیار گوئی کے مقابلہ میں کم گوئی پسند فرماتے تھے۔

دراز گفتن نزدیگ من ستودہ نبود

ولی زبانِ خرد ہست این قصیدہ ستا

کم گوئی کی طرف فطری رجحان کے سبب ان کے قصائد بھی غزلوں کی طرح مختصر ہیں۔ مگر امیر حسن کے اکثر قصائد سے تاریخی واقعات کا پتہ چلتا ہے جس سے انکی اہمیت بڑھ جاتی ہے بلکہ بعض قصائد تو تاریخی مہموں ہی پر لکھے گئے ہیں۔ ان کے قصائد سے انکے ممدوح کی سیرت، اسکی شجاعت نیز جنگی صلاحیتوں پر کافی روشنی پڑتی ہے اور ان کی بیان کردہ ممدوح کی خوبیوں میں علاء الدین خلجی کی جھلک نظر آتی ہے۔

امیر حسنؔ کے مطبوعہ دیوان میں تقریباً ۳۰ مثنویاں شامل ہیں۔ مثنوی جس میں اشعار کی تعداد لامحدود ہوتی ہے اس میں بھی حسنؔ دہلوی نے اپنی کم گفتاری کی عادت سے کام لیا ہے۔ انکی بعض مثنویاں تو بہت ہی مختصر ہیں بہرحال انکی مثنویوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صنف انکی افتادِ طبع کے لیے موزوں تھی۔ لہٰذا جو وقت انہوں نے قصیدہ نگاری میں صرف کیا اگر مثنوی لکھنے میں صرف کرتے تو فارسی شاعری میں کچھ ہی مثنویوں کے اضافہ کا امکان تھا۔ مسعود علی محوی صاحب نے بھی انکی مثنویوں کو قصائد سے زیادہ چُست لکھا ہے۔ حسن کی سب سے زیادہ طویل مثنوی ''عشق نامہ'' ہے۔ یہ مثنوی امیر حسن نے دوشنبہ ذی الحجہ ۷۰۰ھ کو لکھی۔ شاعر نے کمالِ دیانتداری سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ افسانہ انکی طبیعت کی تخلیق نہیں ہے بلکہ اس سرزمین میں پہلے سے مشہور ہے۔

نہ از خود کردم این افسانہ منظوم

کہ مشہور است این قصہ دران بوم

امیر حسن اپنی اس مثنوی ''عشق نامہ'' میں نظامی کا نام بڑے ادب واحترام سے لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نظامی کے کلام میں لطافت کی اس طرح آمیزش ہے جسطرح شہد میں دودھ ملا ہو۔ انکے مقابلہ میں اس صنف میں اپنی عاجزی ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ میری بے شرمی ہے کہ میں نے از راہ بے انصافی اس پیشہ کو فضول اختیار کیا (یعنی مثنوی پر طبع آزمائی کی)

بدین طرز آنچہ می ماند تمامی — بنام ایزد چہ خوش گوید نظامی
زہی خوش گفتن آن پارسا پیر — لطافت در سخن چو شہد در شیر
مرا بنگر ز بی انصافی خویش — گرفتہ از فضول این پیشہ را پیش

چہ بی شرمم کہ این درمی کشایم
حیان کل دیدہ این گل می نمایم

امیر حسن کے سارے کلام میں انکی مثنویاں ہی انکے صوفیانہ اور درویشانہ خیالات کی آئینہ داری کرتی ہیں اور یہ اخلاقی درس سے خالی نہیں ہیں۔ امیر حسن نے ایک نادر ونایاب مثنوی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی مدح میں بھی لکھی ہے۔

امیر حسن کی غزلگوئی: امیر حسن نے یوں تو تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن انکا خاص میدان غزل ہے جسکی طرف انکا فطری میلان تھا۔ خود انہوں نے اپنے ایک قصیدہ میں اپنی غزل کو سحر مبین بتایا ہے۔

شعر حسن شعرِ متین خاصہ غزل سحرِ مبین

ان کے زمانے سے لیکر آج تک ہر دور کے مؤرخوں، تذکرہ نگاروں اور باکمال شعرا نے انکی غزلگوئی کی تعریف کی ہے۔ امیر حسن نے غزل میں شیخ سعدی کا تتبع کیا ہے جسکا انکے

کلام میں متعدد جگہ اعتراف ہے:۔

در خم معنی حسن را شیرۂ نوریخت عشق
شیرہ از خم خانۂ مستی کہ در شیراز بود

حسن گلی زگلستانِ سعدی آوردہ است
کہ اہل معنی گلچینِ آن گلستانست

امیر حسنؔ کی غزلوں میں وہ تمام خوبیاں ملتی ہیں جو شیخ سعدیؔ کی غزل کا طرۂ امتیاز ہیں اور جنکی وجہ سے شیخ کو اس شریعت کا امام یا پیغمبر مانا گیا ہے۔ حسن کی غزلوں میں سادگی، روانی، سوز وگداز، نزاکت، تغزّل، شوخی، موسیقی کے ساتھ اخلاقی پہلو بھی نظر آتے ہیں۔